فکریات

فلسفے کا مخالف فلسفہ

سید حسین نصر

ترجمہ: محمد سہیل عمر

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں!
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں
ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

فکر اسلامی کی اشاعت اور اس کے تاریخی انقلابات سے تھوڑی بہت آگاہی رکھنے والا ہر شخص ابنِ سینا کے فلسفے پر ابو حامد محمد غزالی کی تنقید اور اسلامی اور یونانی مشائی فلسفے کی مخالفت سے واقف ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ غزالی نے اپنی کتاب مقاصد[1] میں ابنِ سینا اور مشائی مکتبِ فکر کے فلسفے کی تلخیص کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر تنقید بھی کی اور تہافت الفلاسفہ میں یہ کوشش کی کہ بو علی سینا اور فارابی کے فلسفہ کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ انہوں نے اپنے خود نوشت احوالِ حیات المنقذ من الضلال[2] میں بھی اس فلسفے کے نقائص اور اس پر اعتراضات بیان کیے۔ ان تینوں مقامات پر غزالی نے ان مکاتبِ فکر کے پیروکاروں پر کفر آمیز افکار کی تقلید کا الزام تک لگایا ہے[3]۔ لہٰذا غزالی اور فلسفے کی بحث میں اس پہلو کی تکرار بے معنی ہو گی۔ یوں بھی فلسفے کے دشمن اور مخالف کے طور پر غزالی کا ایک ایسا تصور بن چکا ہے جس کے بارے میں مزید کچھ کہنا بے مصرف ہے، خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو ایران میں فکر و فلسفہ کی روایت کے دامن میں پروان چڑھے اور جنہوں نے غزالی کو زیادہ تر فلاسفہ خلف کے نقطۂ نظر سے دیکھا۔

بایں ہمہ غزالی کی تصانیف کا اگر دقتِ نظر سے مطالعہ کیا جائے اور فکرِ اسلامی کے مابعد کے ادوار میں ان کے نفوذ اور اہمیت کو سامنے رکھا جائے تو یہ پتہ چلے گا کہ اگرچہ غزالی ایک معنی میں فلسفہ دشمن تھے بلکہ شاید پانچویں صدی میں فلسفۂ مشائی کا زور توڑنے اور اشعری علم کلام کو قوت دینے والی سب سے اہم شخصیت تھے تاہم اس کے باوجود وہ خود بھی فلسفی اور حکیم تھے۔ اپنی فلسفیانہ نظر اور تصانیف سے انہوں نے نہ صرف فلسفۂ مشائی کی عمارت منہدم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا بلکہ بعد کی صدیوں میں فلسفیانہ سوچ کے سفر پر مثبت اثرات مرتب کیے۔ ہماری تحریر کا مقصد غزالی کی فکر کے اسی فلسفیانہ اور حکیمانہ تناظر کو نمایاں کرنا ہے کیونکہ بو علی سینا اور فارابی کے فلسفے کی مخالفت تو پہلے ہی معروفِ خاص و عام ہے۔ غزالی کی کتب پر غور کرنے سے ایک بنیادی چیز آشکار ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے

عقل و خرد پر توجہ دی ہے، ان کی اہمیت کی تائید کی ہے اور انسان کی فکری، دینی اور روحانی زندگی میں عقل کے مثبت کردار کا اقرار کیا ہے۔

اس معاملے میں غزالی فلاسفہ کے ساتھ ہیں اور اس کے لیے انہوں نے فقہائے حنابلہ، صوفیاء کے ایک طبقے حتیٰ کہ متکلمین تک کے برعکس نقطۂ نظر اپنایا ہے۔ یہ تمام مکاتبِ فکر عقل اور منطق کے مخالف تھے۔

یہ درست ہے کہ غزالی کے ہاں عقل صرف منطق اور ارسطا طالیسی معانی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اسے حقائقِ الٰہیہ کے ادراک کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود انسان کے حصولِ کمال کے لیے عقل کی اہمیت پر زور دینا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس معاملے میں حکماء کے ہم خیال ہیں اور اپنے مخالف فلاسفہ سے عقل کی اہمیت اور عقلی و منطقی معقولات پر انحصار کرنے کی ضرورت پر متفق الرائے ہیں۔ اسلامی نظریات کے تمام مختلف مکاتبِ فکر کو سامنے رکھ کر اگر دیکھا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ فلسفۂ مشائی کی شدید مخالفت کے باوجود غزالی حیاتِ انسانی میں عقل و خرد کے کردار اور کسبِ کمال میں اس کے حصے کے مسئلے پر فلاسفہ ہی کے پہلو میں کھڑے ہیں[۴] اور ان فلاسفہ اور بہت سے دیگر صوفیاء کی طرح معرفت کو کلیدِ سعادت گردانتے ہیں، نیز انسان کے لیے معرفتِ حق تک دسترس کے امکان اور ایک علمِ برتر کے قائل ہیں۔

غزالی کی فکر کا یہ پہلو ان کے علمِ منطق سے اعتنا سے بھی ظاہر ہے۔ ان کی منطق پر یہ توجہ علمائے دین کے ایک طبقے (جس کی مثال ابنِ تیمیہؒ ہیں) کے برعکس ہے جنہوں نے منطق کی مخالفت کی[۵] ساتھ ہی ان کا یہ رویّہ ان صوفیاء کے نقطۂ نظر سے بھی الگ نہیں رکھا جنہوں نے انسان کو اپنے نفس سے رہائی دلانے اور شہوات و عالمِ نفسانی کی ساری ہوتی عقل تک محدود سوچ سے آزاد کرنے کے لیے صرف پائے استدلالیاں کو چوبیں بتانے ہی پر تکیہ کیا[۶]۔ غزالی نے نہ صرف یہ کہ منطق کو رد نہیں کیا بلکہ اس کو بہت اہمیت دی ہے اور اس موضوع پر اہم تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ مقاصد کے علاوہ غزالی نے معیار العلم ارسطو کی منطق پر لکھی اور اس کے بعد محک النظر فی المنطق کے نام سے ایک مختصر کتاب بھی تالیف کی۔ اسی طرح غزالی کی ایک نادر تصنیف القسطاس المستقیم ہے۔ اس کا موضوع بھی منطق ہے البتہ اس کی بنیاد اس زمانے میں متداول ارسطو کی منطق کی بجائے قرآن کریم کی منطق میزانوں پر رکھی گئی ہے۔ ابتکاری حیثیت رکھنے والی یہ کتاب "درحقیقت منطق قرآن کا بیان ہے۔ اس کے پانچ میزان یوں ہیں تعادل اکبر، تعادل اوسط، تعادل اصغر، تلازم، تعاند۔"

اس کتاب کی اہمیت اور مابعد کی صدیوں میں اس کے نفوذ کا اندازہ ملّا ہادی سبزواری کی

شرح منظومہ میں مذکورہ پنج میزان ماخوذ از القسطاس المستقیم کا حوالہ دیکھ کر ہوتا ہے۔[8] بنا بریں فلسفہ کے دشمن امام غزالی خود منطق کے عالم ٹھہرتے ہیں، ایسا عالم جس نے منطق کی اشاعت میں حصہ لیا اور اس علم میں گراں قدر تصانیف چھوڑیں جو بلاشبہہ فلسفہ مشائی اور دیگر علوم نظری اور حکمت ہائے استدلالی کی بنیاد ہیں۔

غزالی ان مفکرین کے زمرے میں آتے ہیں جنہوں نے فلسفے پر فقط عقائد یا احساسات کے اعتبار سے ہی تنقید نہیں کی بلکہ ان کی فلسفے پر تنقید فلسفیانہ تنقید تھی۔[9] تہافت میں ان کی کوشش ہے کہ مشائی فلاسفہ کی آراء کا تجزیہ فلسفیانہ انداز اور فلسفیانہ تجزیہ کاری کے نقطۂ نظر سے کیا جائے۔ یہ چیز حدوث و قدم کی بحث سے بالخصوص نمایاں ہے جو تہافت کا سب سے اہم فلسفیانہ مبحث ہے، اسی لیے ابن رشد نے تہافت التہافت میں ہر موضوع سے بڑھ کر اس موضوع پر غزالی کے نظریات کا تجزیہ کیا ہے اور جواب دیا ہے۔[10] غزالی کی کوشش تھی کہ زمان و مکان، علیت اور دیگر مقولات پر جو مسئلہ حدوث و قدم میں لازماً درپیش آتے ہیں فلسفیانہ طریقے سے بحث کی جاتے۔ البتہ یہ نکتہ واضح ہونا چاہیے کہ غزالی نے کس حد تک شیخ الرئیس کے نظریات کو سمجھا اور فلسفیانہ نقطۂ نظر سے ان آراء کو پرکھا؟ مکتب مشائی کے پیروکاروں نے غزالی کو فلسفیانہ فہم و ادراک سے عاری جانا ہے اور اس میں شک نہیں کہ غزالی فلسفے میں اپنے استاد خود تھے اور صدیوں سے بوعلی سینا کے فلسفے کے استادوں اور صاحب نظر لوگوں نے جس طرح ان کی آراء کو سمجھا غزالی اس طرح نہیں سمجھ پاتے تھے اور اسی لیے ان کی نظر اس فلسفے کے اصولوں تک نہیں پہنچی۔ اس کے باوجود فلسفے پر غزالی کی تنقید کو نری کلامی یا عقائدی تنقید نہیں جاننا چاہیے بلکہ ایک فلسفی کی فلسفے پر فلسفیانہ تنقید سمجھنا چاہیے۔ جو شخص بھی غزالی کی فکر کے فلسفیانہ پہلوؤں پر نظر ڈالنا چاہتا ہو اسے فلسفے پر غزالی کی تنقیدات کا فلسفے کے نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنا چاہیے۔

غزالی نے اسماعیلیہ فرقہ پر جو تنقید کی اس میں اگرچہ فلسفے سے زیادہ سیاسی پہلو غالب تھا تاہم اسے بھی فلسفیانہ رنگ سے خالی نہیں کہا جا سکتا۔ المنقذ من الضلال کی تالیف سے قبل غزالی نے اسمٰعیلی نظریات کا مطالعہ کیا تھا اور چونکہ ابو حاتم رازی، حمید الدین کرمانی اور ناصر خسرو وغیرہ اسمٰعیلی مفکرین اپنے زمانے کے نمایاں فلسفیوں میں شمار ہوتے تھے لہٰذا ان کی فکر کا مطالعہ غزالی کو بلاشبہہ فلسفیانہ سوچ بچار کے میدان میں لے گیا ہوگا۔ پھر غزالی نے فضائح الباطنیہ کے نام سے ایک مبسوط کتاب اور حجۃ الحق، قواصم الباطنیہ کی طرح کے چھوٹے چھوٹے رسائل بھی لکھے جن میں ان کی کوشش تھی کہ حقائق عالم روحانی تک دسترس اور معرفت خداوندی کے حصول کے لیے امام معصوم سے تعلیم پانے کی ضرورت کے جو دعاوی

اسمٰعیلیہ نے کیے تھے ان کو رد کیا جائے"۔ اگرچہ ان تالیفات میں فلسفیانہ استدلال و برھان سے زیادہ جدل و مناظرہ کا رنگ ہے تاہم فلسفیانہ اعتبار سے بھی غزالی کا ردِ اسمٰعیلیہ اہم قرار پاتا ہے۔ اسی لیے اسمٰعیلیہ کے پانچویں مستعلوی[۱۲] داعی علی بن محمد الولید (یمن) نے فضائح الباطنیہ کا جو مفصل جواب دیا اس میں صرف اسمٰعیلیوں کے بعض آراء و افکار پر غزالی کے شبہات ہی پر بحث نہیں کی بلکہ عقل اور وحی کے رابطہ اور تعلیم (لدنی) کے بارے میں غزالی کے نقطۂ نظر پر بھی فلسفیانہ اعتبار سے گفتگو کی ہے۔[۱۳]

غزالی کی فکر کا اہم ترین فلسفیانہ تناظر علم و معرفت کا مسئلہ ہے۔ صوفیاء سلف میں سے کچھ لوگوں نے اپنی تحریروں میں علم و شناخت کے مسئلے پر قطعاً توجہ نہیں دی۔ متکلمین سابقہ نے بھی عقل کو عالم بالا کے حقائق کی معرفت سے لاچار قرار دیا تھا۔ ان دونوں کے برعکس غزالی اس بات کے معتقد ہیں کہ انسان حق تعالیٰ کو پہچاننے اور یقین و معرفت تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہے۔ ان کی ساری زندگی حصولِ معرفت اور یقین تک رسائی کی کوشش میں گزری[۱۴] اور ان کی اہم ترین تحریروں میں عقلِ ماوراتی، ذہن کی قوت استدلال اور عالم قدس سے رابطہ جیسے امور پر توجہ ہر جگہ ہویدا ہے۔ ان کی پیش کردہ علم لدنی کی تعریف، عقل کی گوناگوں مراحل میں درجہ بندی، جس کا بلند ترین درجہ عقلِ انبیاء ہے۔ عقل اور وحی کا تعلق، حقائق ازلی کی شناخت کا امکان، علمِ الٰہی کا حصول، عقلِ استدلالی اور اشراق کا جوڑ جیسے مباحث کے اثرات ان کے زمانے کے بعد سہروردی سے لے کر ملّا صدرا اور شاہ ولی اللہ تک بہت سے مسلمان مفکرین اور فلاسفہ کی فکر میں وافر نظر آتے ہیں۔ جہاں تک فلسفہ کے اصل مسائل کے فہم کا تعلق ہے یہ صراحت سے کہا جا سکتا ہے کہ غزالی ان مباحث پر غور و پرداخت اور چھان بین کرنے والے اہم ترین مفکر ہیں۔ اسلام کی فکری تاریخ میں کم لوگ ہوں گے جن کی فکر کے اثرات ان فلسفیانہ مباحث میں اتنے دور رس ہوتے ہوں۔

علوم کی تقسیم بندی کا مسئلہ علم اور مناہج شناسی سے گہرا تعلق رکھتا ہے اور مسلمان فلسفی اسے فلسفے کے بنیادی مباحث میں سے جانتے تھے۔ کندی سے لے کر ملّا صدرا اور شاہ ولی اللہ تک اکثر مسلمان مفکرین نے اس پر توجہ دی ہے۔ فلاسفہ تو خاص طور پر اس کی اہمیت کے قائل رہے ہیں اور اس کے بارے میں غور و فکر کرتے رہے ہیں۔ مختلف شعبہ ہائے علوم اور معرفت کی گوناگوں شاخوں کے مابین وحدت پیدا کرنے میں چونکہ اس بحث کو پورا دخل حاصل تھا لہٰذا غزالی نے متکلمین کی بجائے اپنے زمانے سے پہلے کے صوفیاء و فلاسفہ کی پیروی میں اس موضوع سے خاص اعتنا برتا ہے اور احیاء العلوم الدین میں اس کو واضح کیا ہے۔ البتہ غزالی کے ہاں علوم کی بنیادی تقسیم فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کے تحت ہے۔ یہ فلسفیانہ نہیں بلکہ فقہی رنگ ہے۔ تاہم ان دو کلی مقولات کے اندر

غزالی نے ان تمام گوناگوں علوم پر گفتگو کی ہے جن پر فلاسفہ کی توجہ رہی ہے اور بعض فلسفیوں مثلاً فارابی نے احصاء العلوم کے نام سے ان پر تحریریں بھی چھوڑی ہیں۔ غزالی کے ہاں پائی جانے والی قسم بندی کے اصولِ اوّلیہ اگرچہ سابقہ فلاسفہ کی نگارشات سے مختلف ہیں لیکن علوم کی شاخوں مثلاً علوم عقلی، علوم عقلی و نقلی کا تعلق، وحی اور تکلیف شرعی وغیرہ پر بحث میں بھی نفس توجہ فلسفیانہ ہی رہی ہے اور فلسفۂ مشائی پر حملوں کے باوجود علوم کی قسم بندی کے معاملے میں ان کے نظریات ابن سینا، فارابی اور کندی کی تحریروں سے کاملاً ہم آہنگ ہیں اور اسلامی فکریات میں علوم کی قسم بندی پر ہر مکمل تحقیق میں غزالی کے افکار کا جائزہ لینا ضروری ٹھہرتا ہے۔ یہ جائزہ فقط فقہی یا تاریخی اہمیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ فلسفیانہ حیثیت کے لحاظ سے ہوگا۔ غزالی نے علوم کی جو تقسیم کی ہے اس میں اپنے معاصرین کے کلام اور فقہا تے اہلِ دنیا کی مذمت کی ہے اور دانش محض یا معرفت کی جو تصوف کی مترادف ہے تعریف کی ہے اور چونکہ ان کے لیے تصوف اور معرفت توام تھے اور ایک عقلانی جہت کے حامل تھے لہٰذا ان کی ہر آن علوم کی تقسیم بندی بھی فلسفیانہ رنگ میں ہے بشرطیکہ فلسفے کو اس کے کلی معنی میں سمجھا جائے اور صرف مشائی فلسفے تک محدود نہ قرار دیا جائے۔

علوم دینی میں غزالی نے جو تصانیف چھوڑی ہیں ان میں بھی فلسفیانہ پہلو پر پوری توجہ دی گئی ہے۔ ان سے پہلے کے فلاسفہ بالخصوص ابنِ سینا نے قرآن کریم کی چند فلسفیانہ تفسیریں لکھی تھیں۔ شیخ الرئیس نے آیۂ نور کی تفسیر پر خاص توجہ دی اور اس آیت مبارکہ پر پہلی حکیمانہ اور فلسفیانہ تفسیر سپرد قلم کی جس سے اس روایت کا آغاز ہوا جو ہمیں بعد میں غزالی، ملاصدرا اور بہت سے دوسرے مسلمان مفکرین میں جاری نظر آتی ہے۔ البتہ آیۂ مذکورہ کی جو تفسیر غزالی نے مشکوٰۃ الانوار میں کی ہے وہ اگرچہ ابنِ سینا کی اشارات میں بیان کردہ تفسیر سے بہت مختلف ہے مگر اس سے بے تعلق نہیں۔ اپنی کتب مثلاً جواهر القرآن میں غزالی نے جس تفسیری روش کو اختیار کیا اور کتاب آسمانی کی تاویل اور تفسیر کے مسئلے کو جس انداز میں بیان کیا وہ بعد کے دور میں فلاسفہ کی توجہ کا مرکز رہا ہے اور اس کی فلسفہ و حکمت کی جہت ملاصدرا کی اسرار الآیات اور خاص طور پر آیۂ نور پر ان کی تفسیر میں نمایاں ہے۔ فلسفۂ اسلامی میں مابعد کی تبدیلیوں اور سہروردی کے ہاں تفسیرِ قرآن کو فلسفیانہ فکر سے مربوط کرنے (کی کوشش) کو سامنے رکھیے تو علوم قرآنی کے ضمن میں غزالی کی تحریروں کی فلسفیانہ اہمیت واضح ہو جائے گی۔

علم کلام میں اگرچہ غزالی ابوالحسن اشعری کے پیرو اور مشائی فلاسفہ کے موقف کے سخت مخالف تھے تاہم علمِ کلام میں فلسفیانہ مباحث کی بناء انہی کے ہاتھوں پڑی اور وہ واقعی فلسفیانہ علمِ کلام کے موسس ٹھہرتے ہیں جو بعد کو فخر الدین رازی، میر سید شریف جرجانی اور عضد الدین ایجی جیسے متکلمین

کے ہاں کمال کو پہنچا۔ آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے مورخین مثلاً ابنِ خلدون وغیرہ نے جس چیز کو "کلام متاخرین" کا نام دیا ہے اس کا آغاز اگرچہ غزالی کے استاد امام الحرمین جوینی سے ہوتا ہے لیکن اس فلسفیانہ علم کلام کی بنا ڈالنے میں اساسی کردار غزالی کی الاقتصاد فی الاعتقاد جیسی تصنیفات نے ادا کیا۔ غزالی کا علم کلام فلسفے کا مخالف ہے مگر خود ایک فلسفیانہ جہت رکھتا ہے اور اگر لفظ فلسفہ کو اس کے متداول معنی میں استعمال کریں تو یہ قبول کرنا پڑے گا کہ غزالی کی تصانیف فلسفیانہ فکر کے اہم منابع میں سے ہیں، گو مشائی فلسفہ کے اعتبار سے فلسفہ نہ کہلائیں۔ حادث اور قدیم کا ربط، علت و معلول، جسم کی جوہریت، جزو لایتجزیٰ، علم اشیاء وغیرہ جیسے مباحث ان کی کتب میں منطق و استدلال کے سہارے بیان ہوتے ہیں اور ایسے انداز میں ان کی تفصیل دی گئی ہے جو ان کی تحریر کو اشاعرہ اور دیگر متکلمین سابقہ کے مکتبِ فکر سے جدا کرتا ہے باوجودیکہ انھوں نے اشاعرہ کے علم کلام کی بنیاد کا دفاع کیا اور وہ خود اس مکتبِ فکر کے اہم ترین مفکرین میں شمار ہوتے ہیں۔

فلسفۂ اسلامی کے مابعد کے مکاتبِ فکر سے غزالی کا رابطہ دیکھنے کے لیے سب سے پہلے مکتبِ اشراق کی پیدائش میں ان کی تصانیف کی اہمیت کا جائزہ لینا چاہیے۔ ابتدا میں شاید یوں معلوم ہوگا کہ غزالی کا نقطۂ نظر سہروردی کے افکار سے سرے سے لگا نہیں کھاتا اور یہ دونوں مشہور مفکرینِ فکرِ اسلامی کے دو متقابل نقطوں سے متعلق ہیں۔ لیکن مزید غور کرنے پر دونوں کے درمیان ایک گہرا ربط آشکار ہو سکتا ہے۔ اولاً یہ کہ فلسفۂ مشائی پر غزالی کی تنقید نے سہروردی کی تنقیدِ فلسفۂ مشائی کے لیے زمین ہموار کی۔ ثانیاً عقل اور تعلقِ عقل و وحی کے بارے میں حکمتہ الاشراق اور سہروردی کی دوسری تصانیف میں جو کچھ موجود ہے وہ غزالی کے نقطۂ نظر سے چنداں دور نہیں بلکہ بہت سی جگہوں پر ایک ہی ہے۔ تیسری چیز یہ کہ عرفاء اور حکماء میں غزالی پہلے شخص ہیں جنھوں نے نور اور تفسیرِ آیۂ نور کے باب میں اس اسلوب میں گفتگو کی جو بعد کو اشراق کہلایا۔

غزالی سے پہلے کے مفسرین نے قرآن میں اللہ کے بارے میں استعمال ہونے والے لفظ نور کو مجاز پر محمول کیا تھا اور عام نورِ محسوس ہی کو حقیقی نور سمجھا تھا[۱۵]۔ جبکہ غزالی مشکوٰۃ الانوار میں واضح طور پر لکھتے ہیں کہ فقط نورِ الٰہی نورِ حقیقی ہے اور اس کے سوا جس چیز کو بھی نور کہیے وہ مجاز کے حکم میں ہوگی۔ یہی نادر نظریہ دراصل حکمتِ اشراق کی فلسفیانہ بنیاد ہے۔ اشراقیت میں نور وہ حقیقت اور وہ وجود ہے جسے مطلق معنی اور کامل صورت میں صرف ذاتِ احدیت کے لیے برتا جا سکتا ہے۔ نور اسمِ الٰہی ہے اور ماسوی اللہ کے لیے جب بھی نور کہیں گے تو یہ صرف مجازاً نور ہوگا۔ مشکوٰۃ الانوار میں بیان کردہ بحث در بارۂ نور کا اثر سہروردی پر اس سے کہیں زیادہ ہے جتنا کہ اب تک جانچا گیا ہے۔

تاریخ فکرِ اسلامی میں غزالی کے ظہور کو فلسفہ۔ استدلال پر تنقید، عقل و وحی کے ربط کی بحث اور نور کے عرفانی اور حکیمانہ معنی میں توضیح، تینوں اعتبار سے مکتب اشراق کی پیدائش میں متوجہ جانا چاہیے۔ شہاب الدین سہروردی یقیناً ان کی کتب سے براہ راست یا عین القضاۃ ہمدانی جیسے عارفوں کے ذریعے آشنا رہے ہوں گے۔

غزالی کا اثر بعد کی صدیوں میں فلسفیانہ عرفان پر بھی نمایاں ہے۔ عین القضاۃ سے لے کر ابن عربی صدر الدین قونوی، جیلی، عبدالرزاق کاشانی تک متصوفین کا وہ سارا سلسلہ جو عرفان نظری یا فلسفیانہ عرفان پر بحث کرتے رہے، آثارِ غزالی سے واقف تھے۔ خود غزالی کو بھی الرسالۃ اللدنیہ، مشکوٰۃ الانوار، رسالۃ الطیر، معارج القدس فی معرفۃ النفس، المعارف العقلیہ اور لباب الحکمۃ الالٰہیہ جیسی تصانیف میں عرفان نظری کے مذکور مکتب فکر کا پیش رو کہا جا سکتا ہے۔ غزالی کی اس نوع کی تصانیف ایک بہت اہم فلسفیانہ پہلو کی حامل ہیں جس سے ابن ترکہ اور بعد کے ایرانی فلاسفۂ متاخرین نے بہرہ وافر پایا۔ ان فلاسفہ کی عرفانِ نظری پر خاص توجہ رہی ہے۔

ان رسائل میں عرفانِ نظری کے بہت سے اساسی مباحث بیان ہو گئے ہیں مثلاً علم لدنی، جس کا امکان غزالی تسلیم کرتے ہیں اور اسے طریقِ سیر و سلوک اور راہِ حق کا مقصودِ اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ یہ علم تزکیہ نفس، تصفیہ قلب اور راہِ معرفت کے رہبر کے سامنے سر جھکا دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ علمی اور عقلی جہت پر بھی محتوی ہے۔ یہ مبحث ناقابلِ تعریف فلسفیانہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا ثبوت مابعد کے فلاسفہ مثلاً ملا صدرا میں نظر آتا ہے۔

معاد کے بارے میں بھی غزالی کے مباحث فلسفیانہ اور عرفانی اعتبار سے غایت اہمیت کے حامل ہیں۔ جن لوگوں نے اسلام میں فکر و فلسفہ کی تاریخ پر غور کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اگرچہ شیخ الرئیس اور بعض دوسرے فلاسفۂ سلف نے مسئلہ معاد پر کتابیں لکھی تھیں لیکن اس موضوع کی تفصیل بعد کی صدیوں کے فلاسفہ کے ہاتھوں انجام پائی۔ ملا صدرا کا نام خاص طور پر لیا جا سکتا ہے جن کی اسفار میں اسلامی فلسفیوں کی کتابوں میں سے سب سے زیادہ مفصل بحث اس موضوع پر شامل ہے۔ ان کی پیروی میں قرونِ اخیر کے دیگر حکماء بزرگ مثلاً ملا عبداللہ زنوزی، ملا علی زنوزی اور حاجی ملا ہادی سبزواری وغیرہ نے معاد کے موضوع پر بہت سے رسائل سپردِ قلم کیے۔[۱۶] خود ملا صدرا نے اسفار میں جہاں معاد کی بحث کی ہے وہاں غزالی کی تعریف کی ہے۔ ان کے مکتب فکر کے پیرو بھی اس فلسفیانہ بحث میں خود کو آثارِ غزالی کا مرہونِ منت سمجھتے تھے۔[۱۷] سہروردی کی حکمۃ الاشراق پر ملا صدرا کا حاشیہ ان کا فلسفیانہ شاہکار ہے۔ اس میں بھی معاد کی بحث میں غزالی کا ذکر موجود ہے اور صدر المتألہین نے کوشش کی

ہے کہ حکمتِ متعالیہ کے اصول خاص طور پر وحدت و اصالتِ وجود، تشکیکِ وجود[۱۸]، حرکتِ جوہریہ وغیرہ اور فلسفیانہ بیان کے سہارے اس موضوع پر غزالی اور ابنِ سینا کی آراء کا تضاد حل کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ چیز بھی عیاں ہے کہ معاد کے بارے میں ملا صدرا نے غزالی کی آراء سے بلاشبہ بہرہ وافر پایا تھا۔[۱۹]

مذکورہ بالا اجمالی بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اکثر لوگوں کے ذہنوں میں فلسفے سے غزالی کے ربط کا جو تصور ہے وہ خلافِ واقع ہے۔ ایران میں اسلامی مکتبِ فلسفہ کے پیروان کو عام طور پر صرف فلسفے کے دشمن اور مخالف کے طور پر جانتے ہیں۔ عرب دنیا میں بیشتر یورپی مستشرقین کا موقف مانا جاتا ہے اور ان کی دیکھا دیکھی غزالی کو علومِ عقلی کا مخالف اور اسلامی تہذیب میں ان علوم کے انحطاط کا اصلی سبب بتایا جاتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں ایک طبقہ ان کو دیکارت اور اس کی تشکیک کا پیش رو سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ ان کی مخالفتِ فلسفہ کو نظر انداز کرتے ہوئے نجات دہندۂ فلسفہ کے عنوان سے ان کی تعریف کرتا ہے۔ ان تمام نظریات میں صداقت کا ایک نہ ایک پہلو تو موجود ہے مگر کوئی بھی حقیقت بیان نہیں کرتا۔ غزالی فلسفۂ مشائی کے مخالف ضرور تھے مگر منطق اور استدلال سے انہیں کوئی عناد نہ تھا۔ علومِ عقلیہ میں سے ہر ایک کی تعریف میں اس علم کی حدود خود واضح ہیں۔ جب یہ علوم اپنی حدود سے تجاوز کر کے دعویٰ کرتے تو غزالی ان کی مخالفت کرتے ورنہ خود ان علوم سے انہیں عداوت نہ تھی۔ دیکارت اور سترھویں صدی کے فلاسفہ کے پیش رو وہ یقیناً نہ تھے۔ اگر ان فلاسفہ کی کتابیں غزالی تک پہنچ گئی ہوتیں تو وہ یقیناً ایک اور "تہافت" رقم کرتے جو شیخ الرئیس اور فارابی کے خلاف لکھی جانے والی "تہافت" سے کہیں زیادہ تند و تیز ہوتی۔ وحی کی مدد سے عقل کی علمِ لدنی تک رسائی کا امکان دیکھتے ہوئے وہ ان فلسفیوں کے افکار پر یقیناً تعجب کرتے۔

آخر میں یہ بات بھی قبول کرنا ہو گی کہ غزالی ابنِ سینا اور ملا صدرا کی طرح اسلامی فلسفی نہ تھے۔ تاہم فلسفے کا یہ مخالف اپنے طور پر ایک ایسا حکیم تھا جس کا اثر فلسفۂ اسلامی میں پھیلا ہوا ہے۔ آسمانِ معارفِ اسلامی کے اس درخشندہ ستارے کی اہمیت کا از سرِ نو جائزہ لیا جانا چاہیے جس میں کلام، فقہ، تفسیر، تصوفِ عملی اور اخلاقیات کے لیے ان کی خدمات کے علاوہ ان کی فلسفیانہ اہمیت پر بھی توجہ دی جائے تاکہ افراط و تفریط سے الگ ہو کر غیر جانبداری سے ان کی صورتِ علمی سب کے لیے روشن ہو سکے۔ آثارِ غزالی کی فلسفیانہ جہات اور بعد کے زمانے میں ان کے اثرات پر غور و تفحص سے واضح ہو جائے گا کہ مغرب والوں نے ان کی کتاب <u>مقاصد الفلاسفہ</u> کے لاطینی ترجمے سے ان کو جس معنی میں فلسفی سمجھا تھا اس معنی میں اگرچہ وہ فلسفی نہیں تھے تاہم عالمِ اسلام کے مشرقی علاقوں، خاص طور پر ایران

میں، بعد کے زمانے میں جس طرح فلسفہ پروان چڑھا اس میں ان کا قابلِ توجہ حصہ ہے۔ ایران کے اس عظیم مفکر کے اثرات ملائیشیا سے لے کر اندلس و مغربِ اسلامی تک غالب رہے ہیں۔ ایران میں ان کے بعد جو مکاتب فلسفہ اُبھرے وہ قرون اخیر میں ایران کی اسلامی ثقافت کا درخشاں ترین پہلو ہیں اب تک ان مکاتب پر غزالی کے اثرات کا جو جائزہ لیا گیا ہے وہ نامکمل ہے۔ غزالی کے اثرات اس سے زیادہ ہیں۔

ان کے اپنے زمانے میں فلسفے کے جو معنی رہے ہوں اس کے لحاظ سے وہ فلسفے کے دشمن تھے لیکن فلسفے کے کلی اور متداول معانی کے اعتبار سے انہیں حکیم اور فیلسوف ہی کہنا چاہیے۔

حواشی

۱۔ مقاصد الفلاسفہ فلسفۂ مشائی کی سہل اور واضح ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کا لاطینی ترجمہ بھی ہو چکا ہے جس کا مغرب میں بہت شہرہ ہوا۔ دراصل یہ کتاب ابن سینا کے دانش نامۂ علائی کا عربی ترجمہ ہے جس میں ریاضیات کا حصہ شامل نہیں۔ غزالی کی فلسفیانہ مباحث کو آسان کر کے لکھنے کی روش اس کتاب میں پوری طرح نمایاں ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے فارسی اہل زبان کے لیے جو کسی حد تک عربی جانتے ہیں مقاصد کو سمجھنا فارسی میں دانشنامہ پڑھنے سے آسان ہے۔ مقاصد، دانشنامۂ علائی کا سیدھا سادہ ترجمہ ہے۔
یہ بات پہلی مرتبہ سید احمد خراسانی مرحوم کے توسط سے منکشف ہوئی۔ رجوع کیجیے:
• "فلسفہ و منطق کے بارے میں غزالی کا موقف"، دکتر محمد خوانساری، مجلۂ معارف مجلد اوّل، شمارہ ۳، آذر، اسفند، ۱۳۶۳، ص ۱۴۱۔ اس کے علاوہ دیکھیے مقاصد، فارسی ترجمہ از دکتر محمد خزائلی، طہران، ۱۳۳۸۔

۲۔ المنقذ کا کئی بار فارسی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں: اعترافات غزالی، ترجمہ از زین الدین کیانی نژاد، طہران، ۱۳۲۵؛ راهنمائے گمراهان، ترجمہ، محمد مہدی فولادوند، طہران، ۱۳۴۸؛ شک و شناخت، ترجمہ، صادق آئینہ وند، طہران، ۱۳۶۰۔

۳۔ فارسی میں دو مستند کتب غزالی کے بارے میں ایسی ہیں جن میں غزالی اور فلسفہ کی مخالفت پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ غزالی نامہ از مرحوم جلال ہمائی اور فرار از مدرسہ، دکتر زرین کوب۔ ہمائی مرحوم کی کتاب شاید سب سے قابل قدر کتاب ہے جو ابتک غزالی اور ان کی فکریات پر لکھی گئی ہے اور اس میں فلسفۂ مشائی کے مقابلے میں غزالی کا موقف اور اشعری علم کلام کا دفاع نہایت وضاحت اور اسعان نظر سے بیان ہوا ہے۔

۴۔ چھٹے باب، نصیحة الملوک میں غزالی کہتے ہیں:

"ہر صاحب خرد کو خرد علم تک رہنمائی کرتی ہے اور جو صاحب دانش ہو مگر صاحبِ خرد نہ ہو اس کے کام اُلٹے ہوتے ہیں۔ جس کے پاس خرد اور دانش دونوں کامل ہوں وہ دنیا میں یا تو پیامبر ہوگا یا حکیم یا امام۔ لوگوں کے لیے ساری خیر اور عزّ و شرف اور دو جہاں کی صلاح خرد ہی سے ہے۔"

نصیحۃ الملوک، بہ تصحیح جلال الدین ھمائی، طہران، ۱۳۵۱، ص ۲۴۷۔ نیز رجوع کیجیے "ارزش عقل از نظر غزالی"، زین الدین کیانی نژاد، معارف اسلامی، دورہ اوّل، شمارہ ۳، ص ۱۹۹ - ۲۰۸۔

۵۔ ر۔ک الرد علی المنطقیین، بمبئی، ۱۹۴۹ء دکتر زریاب خوئی نے اپنے مقالے بعنوان "غزالی و ابن تیمیہ" معارف اسلامی، دورہ اوّل، شمارہ ۳، ص ۶۸ - ۷۹ میں منطق کے مسئلے پر غزالی اور ابنِ تیمیہ کے اختلاف پر عالمانہ بحث کی ہے۔

۶۔ یاد رہے کہ مولانا روم نے جو "پائے استدلالیاں چوبیں بود" کہا تو اس میں نہ صرف عقلِ قدسی کی مخالفت موجود نہیں بلکہ عشق کی اہمیت کی تاکید کرنے کے ساتھ معرفت کی اہمیت اور عشقِ الٰہی کے معرفتِ حق اور حقائقِ عالمِ قدس سے توام ہونے پر بھی بار بار توجہ دی ہے۔ جیسا کہ فرمایا "عقل جزئی عقل را بدنام کرد"۔ نیز مولانا راہِ حق میں علم کی اہمیت کے مؤید ہیں البتہ اس علم کو عقلِ الٰہی کے مہبط یعنی قلب کی راہ سے اور چشمِ دل باز کرنے کے ذریعے حاصل کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

علم راہ حق و علم منزلش
صاحب دل داند آں را یا دلش

۷۔ ر۔ک دکتر خوانساری کا مقالہ، مذکورہ بالا، ص ۳۰

۸۔ سبزواری کی شرح منظومہ کا شعر

"تلازم تعاند تعادل
من اصغر او سط اکبر"

غزالی کے میزان ہائے مذکورہ کی طرف واضح اشارہ ہے۔

۹۔ ر۔ک دکتر زرین کوب فرار از مدرسہ

۱۰۔ فلسفۂ اسلامی کے بارے میں مغربی کتب میں بھی غزالی کے حوالے سے اس موضوع پر توجہ دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے: او۔ لی مین۔ قرونِ وسطیٰ کے اسلامی فلسفہ کا تعارف،

(انگریزی) نیو یارک، ۱۹۸۵ء

۱۱۔ ر۔ک "غزالی اور اسمٰعیلیہ" از فرہاد دفتری، معارف ــــــ، دورہ اوّل، شمارہ ۳، ص ۱۹۱۔

۱۲۔ اسمٰعیلیوں کا وہ گروہ "مستعلوی" کہلاتا ہے جو المستنصر باللہ کی وفات کے بعد المستعلی باللہ کا پیرو کار ہوا۔ (حاشیہ مترجم)

۱۳۔ ر۔ک دامغ الباطل، تصحیح مصطفیٰ غالب، ۲ جلد، بیروت ۱۹۸۲ء ہنری کوربن نے غزالی کے حملوں کے جواب میں اس اسماعیلی تحریر پر ایک مقالہ لکھا ہے۔ دیکھیے:
"غزالی کے مناظرے کا اسماعیلی جواب" (انگریزی) در سید حسین نصر (مرتب)، اسلامی ثقافت میں اسمٰعیلی حصہ (انگریزی) تہران، ۱۹۷۷ء ص ۶۸ - ۹۸۔

۱۴۔ ر۔ک فرید جبر کی کتاب، "غزالی کے تصورِ ایقان کا نفسیاتی اور تاریخی جائزہ" (فرانسیسی) پیرس، ۱۹۵۸ء۔ یہ کتاب آثارِ غزالی میں معرفت اور یقین کے بارے میں تفصیلی بحث کرتی ہے۔

۱۵۔ نور کو مجاز پر محمول کرنا اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ تمام متقدمین نورِ محسوس ہی کو نورِ حقیقی سمجھتے تھے۔ کسی شئے کو مجاز پر محمول کرنے سے مجاز ہی کو حقیقی سمجھنا متبادر نہیں ہوتا۔ تفسیری روش کا یہ فرق متقدمین اور متاخرین کے اسالیبِ بیان کا فرق ہے۔ متقدمین بالعموم متشابہات کے سلسلے میں لفظ کے ترجمہ یا نقل پر اکتفا کرتے تھے لہٰذا اس ضمن میں ان کا سکوت مصنف کے پیش کردہ مفہوم پر دال قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (حاشیہ مترجم)

۱۶۔ مثال کے طور پر دیکھیے: لمعات الٰہیہ و انوار جلیہ، اسرار الحکم کا آخری حصہ اور شرح منظومہ۔

۱۷۔ آخوند ملا صدرا اس بات کے قائل ہیں کہ اعاظم حکماء میں سے صرف ابنِ سینا اور فارابی نے معقول انداز میں معادِ جسمانی کی صحت کے سبب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شیخ اعظم، شیخ کامل امام غزالی نے بھی معادِ جسمانی کی توجیہ اور اس کے حق میں ہونے کے بارے میں شیخ الرئیس کے فرمودات سے کامل تر اور قابلِ توجہ مباحث بیان کیے ہیں۔ لہٰذا شیخ فلاسفۂ اسلام (سینا) کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

ویقرب منه ما ذکره الشیخ الغزالی فی بعض منشوراته لقوله:
ان اللذات المحسوسة الموعودة فی الجنة من اکل و نکاح
یجب التصدیق بامکانها، واللذات کما تقدم حسیّة وخیالیة و

عقلیہ -----)

شرح بر زاد المسافر ملا صدرا در معاد جسمانی، تالیف سید جلال الدین آشتیانی، طہران، ۱۳۵۹، ص ۲۴۲ عبدالرزاق لاہیجی نے بھی گوہر مراد میں معاد کے بارے میں غزالی کے نظریات سے بحث کی ہے۔

۱۸۔ "تشکیکِ وجود" ملاصدرا کی قائم کردہ اصطلاح ہے۔ تشکیک کے لغوی معنی تو شک اور تردید کے ہیں۔ صدرا کے ہاں اس کا مفہوم اس اصول کا ہے جو علت و معلول میں تقدم و تاخر کے مسئلے سے متعلق ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

"ان التشکیک هو ان یکون اللفظ واحد المفهوم لکن الامور التی یتنا ولها ذلک المفهوم المختلف بالتقدم و التأخر"۔

اسفار، ج ۱، ص ۴۲۔

(اگر کوئی لفظ ایک ہی معنی رکھتا ہو لیکن جن امور پر اس معنی کا اطلاق ہو وہ باعتبارِ تقدم و تاخر متفاوت ہوں تو اسے تشکیک کہیں گے) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے اسفار، ج ۲، ص ۱۔ (حاشیہ مترجم)

۱۹۔ ر۔ک۔ ہنری کوربن، "ملا صدرا شیرازی (۱۰۵۰/۱۶۴۰م) کے ہاں معاد جسمانی کی بحث" در مطالعاتِ دین و تصوف، اهدا به گرشوم جی شولم، یروشلم، ۱۹۶۷ء، ص ۷۱-۱۱۵۔ معاد کے بارے میں ملا صدرا کے نظریات اور غزالی کی آراء سے ان کے ربط کے لیے دیکھیے، جلال الدین آشتیانی کا مقدمہ بر المبدا والمعاد، ملا صدرا، طہران، ۱۳۵۴ اور رقم السطور کا پیش لفظ نیز متنِ کتاب۔

اقبال اکادمی پاکستان

اقبال

شمارهٔ فارسی

مجلهٔ اقبال اکادمی پاکستان

این مجلهٔ تحقیقی علمی دربارهٔ فکر و شعر و اندیشه زندگی علامه محمد اقبال و همچنین فرهنگ و معارف اسلامی، فلسفه، تاریخ، مذهب و ادب در زبان فارسی می باشد۔

تک شماره: ۴۰ روپیهٔ پاکستانی ۲۰۰ ریال ایرانی

اقبال اکادمی پاکستان، ۱۳۹ A نیو مسلم تاون، وحدت روڈ، لاهور